

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

اشارات

مادی تہذیب اور اس کے مضر اثرات نے ہمارے ذہنوں کو اس قدر موقوف کر دیا ہے کہ ہمیں زندگی کے مختلف میدانوں میں اس تہذیب کی متعین کردہ راہوں کے سوا کوئی دوسری راہ نظر نہیں آتی۔ سیاست میں ہماری آنکھوں کے سامنے یا تو سرمایہ دارانہ جمہوریت گھومتی ہے یا اشتراکی آمریت، معیشت میں ہماری نگاہوں کے سامنے صرف دو نقشے ہی ابھرتے ہیں: یا اخلاق سے عاری آزاد اور بے لگام سرمایہ پرستی یا پھر استملاکت کی جکڑنیدیاں۔ یہی حال معاشرت، قانون، ادب اور مذہب کا ہے۔ حیات انسانی کے مختلف شعبوں میں اہل مغرب نے جن خطوط کی نشاندہی کر دی ہے، وہی ہمارے نزدیک صحیح خطوط خیال کیے جانے لگے ہیں اور ہمارے اندر یہ احساس تک باقی نہیں رہا کہ ہم اپنی الگ ایک صراطِ مستقیم بھی رکھتے ہیں جو ہمیں زندگی کے ہر میدان میں تخی و صداقت کی راہ پر گامزن رکھتی ہے۔ دُور نہ جائیے صرف ایران کے ساتھ ہمارے مخلصانہ روابط اور ثقافتی تعلقات کے اظہار کو ہی جیسے ہم ان تعلقات اور روابط کو ٹبری قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان میں مزید استحکام پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ایران کے خلوص کے بھٹی لہ جان سے مغرور ہیں مگر ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ آخر یہ کیوں مکر فرض کر لیا گیا ہے کہ ان مخلصانہ تعلقات کے اظہار کا لے دے کر صرف ایک ہی طریقہ رہ گیا ہے جو ہمیں اہل مغرب نے بتایا ہے یعنی نمود و نمائش، رامش، رنگ کی محفلوں کا انعقاد، اسراف و تبذیر اور اسی طرح کے دوسرے بیکار بلکہ بعض حالات میں اخلاقِ نعو مشاغل۔ کیا اللہ تعالیٰ نے ہمیں خوشی کے اظہار کا کوئی طریقہ نہیں بتایا یا کتاب و سنت سے ہمیں اس معاملے میں کوئی رہنمائی نہیں ملتی؟ دوسرے ممالک اور قوموں کی ہر معاملے میں اندھی تقلید تو ان لوگوں کو زیب دیتی ہے جو زندگی کے بارے میں اپنا کوئی مخصوص نقطہ نگاہ یا پروگرام نہ رکھتے ہوں یا جنہیں دنیوی مفادات کی محبت نے اس قدر اندھا کر دیا ہو کہ وہ دنیوی تعلقات کی خاطر اللہ کے احکام کو پس پشت

ڈال دیں۔ یہ طرز عمل بہر حال اس قوم کو کسی طرح زیب نہیں دیتا جو ایک خاص نظریہ حیات کی علمبردار بن کر دنیا میں جینے کا عزم رکھتی ہو اور دوسری اقوام کی پیروی کے بجائے ان کی قیادت کی دعویٰ دے۔

مختلف قوموں اور سلطنتوں کے مابین تعلقات کا قیام کوئی دور جدید کا مخصوص کارنامہ نہیں جیسے انسانوں نے اجتماعی زندگی کی بنیاد رکھی ہے اور اس کے نتیجے میں حکومتیں معرض وجود میں آئی ہیں اس وقت سے مختلف ممالک کے درمیان اخوت کے تعلقات بھی قائم ہوتے رہے ہیں۔ ماضی میں مسلم ریاستوں نے بھی اپنی حدود سے باہر نکل کر دوسرے ممالک اور قوموں کے ساتھ بھائی چارہ کے تعلقات قائم کیے۔ مگر جن مسلمان حکمرانوں کے دلوں میں اسلام سے محبت تھی انہوں نے کبھی بھی دین کو قربان کر کے ان تعلقات کو استوار کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ دینی احکام کو سامنے رکھتے ہوئے انہیں قائم کیا۔ اور پھر انہیں احکام الہی کے مطابق بنایا۔ اگر ہمارے اسلاف آبرو مندانه عہد و پیمان کے ساتھ اور دین حق کے پیروکار کی حیثیت سے بین الاقوامی برادری میں پُر وقار انداز میں زندہ رہ سکتے تھے تو آخر ہم کیوں نہیں رہ سکتے۔ کیا ہم اپنی زندگی کا کوئی اسلوب نہیں رکھتے؟ کیا ہم کسی نظریہ حیات کے ترجمان نہیں؟ کیا ہم کسی پیغام کے علمبردار نہیں رہے؟ کیا ہم ذہنی اور فکری اعتبار سے اتنے مفلس ہو چکے ہیں کہ دوسروں کی ہر چیز یا دوسروں کا ہر طرز عمل خواہ وہ اخلاقی اور دینی اعتبار سے کتنا ہی غلط ہو، ہمارے لیے باعث کشش بن جاتا ہے۔ ہمیں اپنی اس تقلید پسندانہ روش پر غور کرنا چاہیے۔

اسے ہم اپنی کسی دُور اندیشی پر محمول نہیں کرتے بلکہ محض خدا کا فضل سمجھتے ہیں کہ ہم نے ماضی میں اپنی قوم کو ہر نازک مرحلے پر آنے والے خطرات سے پوری طرح خبردار کیا۔ غلام محمد نے جب مرکزی اسمبلی کو توڑا تو اس کے متوقع عواقب ہم نے پوری طرح واضح کیے اور بتایا کہ یہ فعل اس ملک کو اُمرت کی طرف لے جانے والا ہے۔ چنانچہ جلد ہی فیڈرل مارشل محمد ایوب خاں ایک آمر مطلق کی حیثیت سے نمودار ہوئے اور انہوں نے جمہوریت کے ہر نشان کو بڑی چابکدستی سے مٹانے کی کوشش کی۔ اسی ضمن میں ہم نے قوم کو یہ بات بھی بار بار ذہن نشین کرائی کہ لادینی تحریکات خواہ کسی روپ میں جلوہ گر ہوں وہ لازمی طور پر انٹر اکتیو کی راہ ہموار کرتی ہیں۔ حتیٰ کہ لادینی تحریکوں کے بعض بظاہر معصوم پر وگرام انٹراکٹیو

کو قریب تر لانے میں مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں مگر افسوس کہ قوم نے ہمارے اس انتباہ کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ غلام محمد کے احقانہ فعل کو سراہا اور فیڈ مارشل صاحب کے غلط طرز عمل کی مدح و توصیف کی اور انہیں قوم کا "نجات دہندہ" قرار دیتے ہوئے ان کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ کچھ مدت گزرنے کے بعد جب ان کے اصل عزائم سامنے آئے اور قوم کی آنکھیں کھلیں تو انہیں ہٹانے کے لیے ایسے عناصر کی پشت پناہی شروع کر دی جو پہلے ہنگاموں کے ذریعے ملک کا نظام معطل کرتے ہیں اور پھر اس نعتل اور اضطراب سے فائدہ اٹھا کر اشتراکی آمریت عوام پر مستط کر دیتے ہیں۔

ہم ملک میں کوئی سنسنی پھیلانا نہیں چاہتے مگر اس تلخ حقیقت کا اخطا بھی ملک و ملت سے غداری خیال کرتے ہیں کہ اس وقت ملک میں جو اند و ہناک صورت حال پیدا ہو گئی ہے یا بعض تخریب پسند عناصر نے پیدا کر دی ہے اس میں اس بات کا شدید خطرہ ہے کہ کہیں اشتراکیت کی بلا ملک پر نازل نہ ہو جائے۔ یہ بات کسی طرح بھی بعید از امکان نہیں کہ اس سازش میں غیر ملکی طاقتیں بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ شریک ہوں۔ حالات کا دھارا جس رخ بہ رہا ہے۔ اس سے اس امر کا صاف پتہ چلتا ہے کہ ملک کو اشتراکیت کی طرف ایک منصوبے کے تحت بڑی قوت سے دھکیلا جا رہا ہے اور وہ سارے متجھکڈے پوری عیاری اور طاقت سے استعمال کیے جا رہے ہیں جو اس ناپاک مقصد کے حصول کے لیے بالعموم استعمال کیے جاتے ہیں۔

جن لوگوں نے اشتراکی انقلاب کا مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ الحاد کے بطن سے یہ تحریک جنم لیتی ہے۔ بھوک، افلاس اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بے چینی اسے نوزائید فرما رہی ہے۔ ذہنی اور اخلاقی آوارگی کی گود میں یہ تحریک پختی اور پرورش پاتی ہے۔ مکرو فریب، دھونس، دھاندلی اور تشدد کی مدد سے یہ اپنے لیے نرتی کی مختلف راہیں نکالتی اور بالآخر آمریت کے بل بوتے پر کسی ملک میں اپنا تسلط قائم کر لیتی ہے۔ امن کی فضا اسے کبھی راس نہیں آتی، دلیل کی قوت اس کے لیے کسی منزل پر بھی مفید اور کارآمد نہیں ہوتی، جمہوریت کا ماحول اس کے لیے کسی طو بھی سازگار ثابت نہیں ہوتا۔ امانت و دیانت اور شرافت سے اسے فطری کد ہے۔ اس کی فطرت کا خمیر ہی تشدد سازش اور نامعقولیت سے اٹھایا گیا ہے۔ چنانچہ جس ملک کی سیاسی فضا میں سازشیں پرورش پانے لیں

تشدّد کے مظاہرے ہونے لگیں تو سمجھ لیجیے کہ اشتراکیت کی تاریکیاں اس ملک کو اپنے بھیاںک پروں میں چھپانے والی ہیں۔

بدقسمتی سے اس خطہ پاک میں وہ ساری خوفناک علامتیں موجود ہیں جو اشتراکیت کے برپا ہونے کی دہائی سے رہی ہیں۔ مشرقی پاکستان میں کالعدم عوامی لیگ اور شینل عوامی پارٹی نے الحاد کا زہر ملک کے بائیں بازو میں اچھی طرح پھیلا دیا ہے اور اس کے خطرناک نتائج آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس زہر کا پہلا اثر تو یہ ہوا کہ مغربی اور مشرقی پاکستان کے درمیان دینی اخوت کے رشتے ٹوٹے اور ملک کے بائیں بازو نے اپنے آپ کو پاکستان کا جزو لاینفک سمجھنے کے بجائے کسی دوسرے ملک سے ناظمہ جوڑنے کی ناپاک کوششیں شروع کیں۔ اس زہر کے زیر اثر نہ صرف بھائی نے بھائی سے منہ موڑا بلکہ اس نے بدلیج ہو کر اس کا گلا گامنا اور جو لوگ اس میں مزاحم ہوئے انہیں تشدد کے ذریعہ دبائے کی کوشش کی مشرقی پاکستان کے حالات کو دیکھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا تھا کہ پاکستانی قوم کے ایک بہت بڑے حصہ پر دیوانگی کا عالم طاری ہے اور وہ جنون میں اپنے آپ کو برباد کرنے پڑے لگا ہوا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس قسم کے اندوہناک حالات مقبولیت کے ذریعے تو پیدا نہیں کیے جاسکتے۔ اس قسم کے مذموم مقاصد لوگوں کے جذبات بھڑکا کر ہی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ آگ اور خون کے اس کھیل کے کھیلنے میں وہ لوگ پیش پیش رہے ہیں جن کے قلب و دماغ پر الحاد چھایا ہوا ہے۔ تخریب پسندی جن کا پسندیدہ شغل ہے اور منفی جذبات کو ابھارنے میں جنہیں گونا گوں لذت محسوس ہوتی ہے۔ مشرقی پاکستان کی سرزمین صرف ایک دن میں تو آگ نہیں اگلنے لگی بلکہ یہ گزشتہ بیس سال کے تخریبی رجحانات کا طبعی نتیجہ ہے۔ سطح بین آنکھوں کے لیے ممکن ہے کہ یہ کوئی غیر متوقع حادثہ ہو مگر جو لوگ حالات کے بگڑتے ہوئے تیار دیکھ رہے تھے اُن کے لیے اس امر کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہ تھا کہ مشرقی پاکستان کی سرزمین انسانی خون سے لالہ زار بننے والی ہے۔

مشرقی پاکستان جس سنگین حادثہ سے دوچار ہوا ہے اُس کی زد میں اب مغربی پاکستان بھی پڑی تیزی کے ساتھ آ رہا ہے۔ حکومت کی غلط معاشی پالیسیوں، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی فتنہ انگیزی

نے غریب طبقے پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ غربت، افلاس اور ہیران بڑھتی ہوئی بیروزگاری ان کی زندگیوں پر دردناک عذاب کی صورت میں مستط ہیں۔ عوام کی عظیم اکثریت کو ہمیشہ یہی فکر و امنگیر رہتی ہے کہ وہ کسی طرح جسم اور روح کے رشتے کو برقرار رکھ سکے۔ اس پر غضب یہ ہے کہ سدر منی کی صورت میں انہیں جو میسر آتا ہے اُس کے بارے میں بھی انہیں اطمینان نہیں ہو سکتا۔ ہمارے ملک کا سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام ہی اس انداز کا ہے کہ ذہن کو آسودگی اور قلب کو طمانیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہر وقت ایک خوف و ماغ پر مستط رہتا ہے کہ کس وقت کیا حادثہ پیش آجائے۔ عدم اطمینان اور خوف و ہراس کی اس فضا میں لوگوں کی سوچنے سمجھنے کی قوتیں بیکار ہو جاتی ہیں اور وہ خوش کن تمنائوں اور دلفریب آرزوؤں کے سہارے زندہ رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو شخص یا گروہ بھی عوام کے جذبات سے کھیلنے کی مہارت رکھتا ہو وہ فوراً لوگوں کی آنکھوں کا تار بن جاتا ہے اور وہ اندھے ہو کر اُس کے پیچھے دوڑ پڑتے ہیں۔

ہماری درسگاہوں میں نوخیز نسلوں کو جس قسم کی تعلیم دی جا رہی ہے وہ انہیں اسلام کا علمبردار بنانے کے بجائے کفر و الحاد کا پرستار بناتی ہے ایک قلیل تعداد کو چھوڑ کر جسے شاید قدرت نے فطرت ابراہیمی پر پیدا کیا ہو۔ اور جس کی حیثیت آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں، ایک بہت بڑی تعداد اس تعلیم کو حاصل کر کے اسلام سے برگشتہ ہوئی ہے۔ اُسے خدا کا وجود ایک واہمہ، رسالت ایک خیال خام، اور حیات بعد ممات اور حشر و نشر اور اسی طرح کے دوسرے معتقدات جو اسلام میں بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں، جہالت کی باتیں دکھائی دیتی ہیں۔ اخلاق اُس کے نزدیک بیکار کی زنجیریں ہیں جن کی مدد سے سرمایہ دار معاشرے کے کمزور طبقوں کا خون چوستا ہے۔ الغرض اسلام اور اسلامی تعلیمات جدید ذہن کے نزدیک ماضی کی مقدس داستانیں ہیں جن کا موجودہ زندگی میں کوئی فائدہ نہیں۔ اس کی نگاہ میں انسانی فلاح و کامرانی کی ایک ہی صورت ہے کہ اہل مغرب جس طرف تیزی کے ساتھ بڑھتے چلے جا رہے ہیں ان کے ہم کاب ہو کر بڑھا جائے۔ اور جس طرح سرمایہ داری انتر اکیٹ کی آغوش میں دم توڑنے پر مجبور ہے بالکل اسی طرح ہم بھی اسی آغوش میں پناہ دیں کیونکہ اسے اپنا بے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ نوجوانوں میں جو لوگ ذرا جوی اور بیباک ہیں وہ ان خیالات کا برملا اظہار کرتے ہیں مگر جو

کمزور اور بزدل ہیں وہ اپنے دماغ میں تو اسی قسم کے خیالات کو پالتے ہیں مگر زبان پر لانے کی جرأت نہیں کرتے لیکن اس بات سے آخر کس طرح انکار کیا جاسکتا ہے کہ جوں جوں اسلام اور کفر کے درمیان کشمکش تیز تر ہوتی چلی جا رہی ہے یہ بزدل طبقہ اپنا وزن کفر کے پلڑوں میں ڈالنا چلا جاتا ہے۔ اس قسم کی تعلیم و تربیت نے ذہنی آوارگی کے ساتھ ساتھ اخلاقی انارکی کو بھی بڑی شد و مد کے ساتھ پھیلا دیا ہے اور اس کے ہولناک اثرات ہم میں ہر شخص نہ صرف بڑے دکھ کے ساتھ دیکھ رہا ہے بلکہ بڑے کرب و اضطراب کے ساتھ محسوس بھی کر رہا ہے۔ اشتراکیت کے علمبرداروں کے نزدیک اخلاق کی دنیا میں یہ انارکی بہت بڑی نعمت ہے کیونکہ اس کے ذریعے سیاسی انارکی کا بازار گرم ہوتا ہے بلکہ ذہنی اور اخلاقی آوارگی اشتراکیت کی ملیغار کے لیے مقتدرہ الجیش کا کام دیتی ہے۔ آوارگی و حقیقت ذہنی خلفشار اور جذباتی انتشار کا نام ہے جو قوم بھی اس میں مبتلا ہو جاتی ہے تخریب اور بغاوت اس کے پسندیدہ مشاغل قرار پاتے ہیں۔ وہ قوم پھر مذہبی اور روحانی اقدار کو ہی پامال نہیں کرتی بلکہ معاشرتی بندھنوں، اخلاقی حدود و قیود اور ملکی آئین و ضوابط کو بڑی دلیری کے ساتھ کھلے بندوں توڑتی ہے۔ اور اسی طرح ملک میں افراطی پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے۔

جب کسی معاشرے میں اس نوعیت کے طوفان اٹھنے لگتے ہیں تو پھر ایسے فائدین بھی پیدا ہو جاتے ہیں جو ان طوفانوں کا رخ موڑ کر اس معاشرے کو تہ و بالا کر دیں یہ ہے مختصر الفاظ میں وہ پروگرام جس کے مطابق اسلامی ممالک میں اشتراکی انقلاب برپا کرنے کے منصوبے بنائے جاتے ہیں اسے دورِ جدید کے عظیم المیے کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ ملک جسے اسلام کی تجربہ گاہ بنانے کے لیے بڑی قربانیوں سے حاصل کیا گیا تھا وہاں اشتراکیت کو مسلط کرنے کی بڑے زور شور سے تیاریاں جاری ہیں۔ خدا اس قسم کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملاتے لیکن اس وقت ملک میں جو صورتِ حال پیدا ہو گئی ہے اسے کسی طرح بھی اسلام کے مستقبل کے لیے نیک فال نہیں کہا جاسکتا۔ اشتراکیت کا فائل جن شور و شبن، ہنگاموں اور طوفانوں کے جلو میں آگے بڑھتا ہے انہیں یہاں اچھی طرح دیکھا اور محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ طوفان ابھی تک پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے سکے۔ اور ان کی تندی اس حد تک نہیں بڑھی کہ ہمارا پورا معاشرہ اپنی فکری اور اخلاقی اور معاشرتی بنیادوں سے

اکھٹنے لگے مگر یہ سخت خوش فہمی ہوگی بلکہ خود فریبی ہوگی اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ ابھی یہاں انٹراکٹیت کا کوئی خطرہ موجود نہیں۔

فکری اور اخلاقی آوارگی کے طوفان تو ایک طرف رہے یہاں تو وہ لوگ بھی بڑی تیزی سے ابھر کر سامنے آ رہے ہیں جو ان مضطرب حالات سے فائدہ اٹھا کر اشتراکی انقلاب برپا کرنے کے تجویز کر رہے ہیں۔ یہ لوگ جس انداز سے مختلف اوقات میں سیاسی چالیں چلتے ہیں انہیں دیکھ کر اس امر کا صاف اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ فیصلہ چھوڑ کر صورت حال کا جائزہ لینے میں مصروف ہیں اور اگر انہیں ان حالات میں اپنی کامیابی کے کچھ بھی امکانات نظر آئے تو یہ انتہائی قدم اٹھانے میں کبھی بھی تاثر نہ کریں گے۔ تشدد کا پرچار کر کے عوام کو مرعوب کرنا اور اس طرح ان کے حوصلے پست کر کے انہیں مزاحمت سے باز رکھنا پھر دھمکیوں کے ذریعے انتظامیہ کے اندر خوف و ہراس پیدا کرنا اور اسے اس حد تک مجبور کر دینا کہ وہ اپنے مستقبل کے تحفظ کے لیے سرخ فوج کے جیالوں کے لیے طوعاً و کرہاً کام کرے، یہ عملی میدان میں انٹراکٹیت کے ابتدائی ہتھکنڈے ہیں جنہیں اس ملک میں گزشتہ دو تین سالوں سے استعمال کیا جا رہا ہے۔ معاشرے کا جو طبقہ بھی انٹراکٹیت کی مخالفت کرتا ہے اور اس نظام کو مسلم قوم کے لیے سم قاتل سمجھتا ہے اس پر عین طعن کا ایک لاتنا ہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اور اسے بڑے ذلیل حربوں سے عوام میں بدنام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پھر انتظامیہ کے اندر بھی جس شخص کے بارے میں یہ گمان ہو کہ وہ ان کے ٹھب کا آدمی نہیں، اُسے بھی مختلف طریقوں سے خوفزدہ کیا جاتا ہے، تاکہ وہ میدان سے بھاگ کھڑا ہو اور انٹراکٹیت کے خونی ڈرامے کو جان کی امان پاکر غیر متعلقہ تماشائی کی حیثیت سے دیکھے۔ اس مرحلے پر دھونس اور دھمکیوں کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ معاشرے اور انتظامیہ میں ان طبقوں اور افراد کی قوت اور طاقت کا اندازہ کیا جاسکے جو انٹراکٹیت کی راہ میں مزاحم ہونے کا حوصلہ اور عزم رکھتے ہیں۔

خوف و ہراس کی یہ فضا انٹراکٹیت کا بالکل ابتدائی مرحلہ ہوتی ہے جس میں عوام کا ردِ عمل کھل کر سامنے آتا ہے۔ اور اس کی روشنی میں مستقبل کا پروگرام ترتیب دیا جاتا ہے۔ پھر اس فضا میں بڑے معصوم بلکہ مقدس مقاصد کی آڑ میں ریڈ کارڈ کی بھرتی شروع ہوتی ہے اور عوام کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ